عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے آہِ سحر گاہی!!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

جماد الاولیٰ ۱۴۳۷ھ / مارچ ۲۰۱۶ء

Reg No. P476

جلد: چاردھم

شمارہ: 7

فہرست

فی شمارہ : -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک : -/200 روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔ 03139792537

ای۔میل : physiologist72@hotmail.com
saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ : www.darwaish.org

اداریہ

(انجینئر ثاقب علی خان)

اس وقت کے ابوذر غفاری جناب حاجی عبدالوہاب صاحب جو فنافی التبلیغ ہیں، ایک دفعہ اپنے بیان میں اپنے مخصوص انداز میں فرمانے لگے کہ ان دنیا دار لیڈروں سے اور حکومت کے ان وزراء اور پارلیمنٹ سے اس بات کا مطالبہ کرنا کہ شریعت نافذ کریں ایسے ہی ہے جیسے چوڑے، چمار، بھنگی سے مطالبہ کرنا کہ مسجد کی صفائی کرے۔ ایک دفعہ حضرت حاجی صاحب بہت جوش میں تھے اور فرمانے لگے:

''جو پارلیمنٹ قرآن وحدیث میں آئے ہوئے واضح احکامات

کے خلاف قانون بنالے وہ سب کافر ہو جاتے ہیں۔''

سوچنے کی بات ہے کہ کسی گھر میں ایک بھائی ڈاکٹر بن گیا، ایک انجینئر بن گیا، ایک لیکچرر ہو گیا، ایک افسر بن گیا اور ایک نالائق جو بیکار رہ گیا وہ سیاسی لیڈر بن جاتا ہے۔ مولویوں میں سے جو علم میں اتنا کمزور ہو کہ درس وتدریس نہ کرسکتا ہو، وہ دینی پارٹی کا لیڈر بن جاتا ہے۔

مالدار خاندانوں کی تو سیاست اور حکومت اپنے مفادات کو بچانے کی ایک خاص ضرورت ہے، جس کے تحت وہ اپنے الم غلم، حرام اور ظلم کے کاروباروں کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ باہر ملک سے اپنے ملک کے لئے لئے ہوئے سودی قرضے کی اچھی خاصی مقدار لوٹ کر پھر بیرون ملک کے بینکوں میں منتقل کر کے ان ملکوں میں خوب املاک (Property) بناتے ہیں۔ کچھ ڈکیٹ اور غنڈے پال کر اپنے گرد وپیش میں رعب ودبدبہ اور تحفظ کی فضا پیدا کرتے ہیں۔ یہ ہیں وہ لوگ جو پاکستان کے سیاہ وسفید کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ اتنی کمزور اور بے بنیاد ترتیب پر چلنے والوں کو اپنی حکومتیں بچانے کے لئے باہر کے کفار کی اشد ضرورت رہتی ہے۔ ان کے خفیہ اداروں سے خائف اور ان کے

محتاج رہتے ہیں۔ان سے سودی قرضے لینے کے لئے ان کی شرائط ماننی پڑتی ہیں۔ملک میں ان کفار کے مفادات کا تحفظ نیز اسلامی زندگی خاص طور پر عزت، حیاء اور جذبۂ جہاد کے خاتمے کی شرائط ہوتی ہیں جو آہستہ آہستہ ہمارے ملک کو ان کی ذہنی غلامی اور بالآخر عملی غلامی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ایسے لوگوں سے حق و انصاف کے فیصلے کی توقع رکھنا حاجی عبدالوہاب صاحب کے قول کے مطابق چوڑے، جمادار، بھنگی سے مسجد کی صفائی کی توقع رکھنا ہے۔

ممتاز قادری جیسا ملتا جلتا کیس ۱۹۲۹ء میں ہوا جس میں غازی علم الدین نے گستاخِ رسول راج پال کو قتل کر دیا۔ یہ چیز ایک عظیم تحریک بنی۔اس تحریک کی قیادت خود علامہ اقبال نے کی اور اس کیس کی وکالت پاکستان کے عظیم لیڈر محمد علی جناح صاحب نے کی۔ایک دفعہ خیبر میڈیکل کالج کے طلبہ نے ناموسِ رسالت پر ایک پروگرام کیا۔اس میں اسلامیات کے ایک پی ایچ ڈی پروفیسر مدعو تھے۔کالج کی طرف سے ہمارے شیخ حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم تھے۔ اسلامیات کے پروفیسر صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ قائداعظم نے غازی علم الدین صاحب سے کہا کہ اگر اپنا بیان بدل دو تو میں تمہیں بچالوں گا۔اس کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب کا بیان تھا۔ انھوں نے بتایا کہ اللہ کے فضل سے ۱۹۲۹ء ہی کی ابوالفتح ایڈووکیٹ کی کتاب جو اس واقعے سے متعلق ہے میرے پاس موجود ہے۔ابوالفتح ایڈووکیٹ از اول تا آخر خود اس کیس میں موجود تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح اور ڈاکٹر علامہ محمد اقبال مرحومین دونوں بہت کامیاب بیرسٹر تھے لیکن دونوں نے کبھی جھوٹ اور فریب کی ترتیب پر کام نہیں کیا بلکہ دلائل سے کیس لڑتے رہے ہیں۔قائداعظم کے دلائل مندرجہ ذیل تھے:

۱۔ یہ قتل اشتعال پر ہوا ہے کیونکہ راجپال نے حضور اقدس ﷺ کی شان میں گستاخانہ کتاب لکھی جس سے غازی علم الدین کے جذبات کو ٹھیس پہنچی اور اتنا اشتعال ہوا کہ اس سے قتل ہو گیا۔لہٰذا دفعہ ۳۰۲ قتل عمد کی بجائے دفعہ ۳۰۸ قتل بوجہ اشتعال کی کاروائی کی جائے جس کی سزا سات سال قید ہے۔

۲۔ استغاثہ یعنی رپورٹ میں لکھا ہوا کہ اس نے نئی چھری خریدی اور اس سے وار کیا جبکہ ثبوت میں جو چھری پیش کی گئی ہے وہ آگے سے سڑی ہوئی ہے اور زنگ آلود بھی ہے۔

۳۔ غازی علم الدین کو قتل کی جگہ سے گرفتار نہیں کیا گیا۔

پہلی دلیل انگریز کے چالو قانون کی پکی دلیل تھی اور کئی فیصلے اس کے تحت نچلی عدالت (Lower Court)، درمیانی عدالت (High Court) اور اعلیٰ عدالت (Supreme Court) میں ہو چکے تھے لیکن انگریز نے ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے اپنے ہی قانون کو پیٹھ پیچھے دال کر ظالمانہ فیصلہ کرلیا۔ اور غازی علم الدین رحمۃ اللہ علیہ کا عدالتی قتل کر دیا۔

ممتاز قادری کے کیس پر جسٹس میاں نذیر اختر سابق پروفیسر لاء (دس سالہ تجربہ) سابق وکیل (بیس سالہ تجربہ) اور سابق ہائی کورٹ کے جج (دس سالہ تجربہ) کا بیان انٹرنیٹ اور ان کے فیس بک پیج پر موجود ہے، جو کہ ایک فنی بحث ہونے کے ناطے آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔

بہرحال اس دنیا میں شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی جبکہ حکومت یزید کو ملی، شہادت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی جبکہ حکومت حجاج بن یوسف کو ملی۔ ممتاز قادری تو اسوۂ حسینی اور اسوۂ زبیری کی مثال زندہ کر گئے جبکہ وہ لوگ جو جس درجہ میں اس میں شامل ہوئے، یزید اور حجاج بن یوسف کی یادگار بن گئے۔ دل سے ہوک اٹھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان فرمانرواؤں اور ان افراد کا جو اس واقعہ کا ذریعہ بنے دنیا و آخرت میں حشر یزید اور حجاج بن یوسف کے ساتھ کرے۔ ان کو، ان کی اولادوں اور نسلوں کو عبرت کا نمونہ بنائے اور انھیں سڑکوں پر بھیک مانگتا ہوا ہمیں دکھائے۔

موجودہ مرکزی حکومت جو کہ پنجاب کے سہارے سے اقتدار میں آئی، پنجاب کے مثالی عشقِ رسول کی وجہ سے اپنا مستقبل تاریک کرگئی۔ اس لئے اگر مسلم لیگ نے مستقبل میں ان افراد کو منفی کر کے نئے، غیر متنازعہ، سنجیدہ، صالح اور ذمہ دار لوگوں کو آگے نہ کیا تو گویا انہوں نے اپنے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔

(آخری قسط)

موجودہ تعلیمی مسائل اور ان کا حل

(حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

انگریزوں کی بالادستی اور اردو کی کسمپرسی کب تلک؟

یہ ایک حقیقت ہے کہ طلبہ کی ایک کثیر تعداد محض انگریزی زبان کی وجہ سے ناکام رہتی ہے۔اس ناکامی کی پہلی وجہ تو انگریزی کا قومی افتادِ طبیعت کے مطابق نہ ہونا ہے، دوسرا بڑا سبب انگریزی کا ناقص طریقۂ تعلیم وتدریس ہے۔ وہی زبان جو غیر ممالک میں تھوڑے عرصے میں ضرورت کے درجے میں سیکھ لیتے ہیں یہاں برس ہا برس پڑھا کر بھی نہیں سیکھی جاتی ہے۔اصل سوال یہ ہے کہ آیا ملت اسلامیہ پاکستان کو ایک غیر ملکی زبان کی ایسی لابدی (لازمی) ضرورت ہے کہ اس کے لٹریچر اور زبان دانی کو ہر ایک کیلئے لازم قرار دیا جائے؟ انگریزی قدردان جو اپنی انگریزی حمایت میں انگریز پرستی کی حد تک پہنچ چکے، ان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ موجودہ دور سائنسی اور دیگر علوم کی معیاری یافت انگریز کی محتاج ہے کہ اس میں علوم وفنون کے خزائن ہیں، لیکن اگر عمیق نظر اور ملی جذبہ سے دیکھا جائے تو یہ نظریہ صرف غلامانہ ذہنیت اور حقائق سے چشم پوشی کا نتیجہ ہے۔

دنیا کے اکثر ممالک جو سائنس اور علوم وفنون میں آگے بڑھ چکے ہیں، انہوں نے اپنی ہی زبان کے واسطے سے ان علوم وفنون کو حاصل کیا، کسی آزاد ملک میں کسی غیر ملک کی زبان کا ایسا استیلا (چھا جانا) نہیں ہے جیسا کہ ہمارے ملک میں ہے۔ چھوٹے چھوٹے ترقی پذیر ممالک بھی اپنی قومی زبان کو سینہ سے لگائے ہوئے ہیں اور ان کے ہاں ذریعۂ تعلیم ان کی قومی زبان ہے۔ چین ہم سے ایک سال بعد جدید انقلاب سے دوچار ہوا۔ وہاں تمام علوم وفنون چینی زبان میں ہیں۔ جاپان سے بڑھ کر مشرقی ممالک میں کون سا ملک ترقی یافتہ ہوگا لیکن وہاں کی تمام تعلیم وتربیت جاپانی زبان میں ہے۔

یہاں تک کہ افغانستان، ایران، اور عرب ممالک بھی قومی زبانوں میں ان علوم کی تدریس کررہے ہیں، دور کیوں جایئے؟ آج سے پچاس سال پہلے ہندی جوایک اپاہج بلکہ مردہ قومی زبان تھی، بھارت نے اس کی سرپرستی کرکے تمام علوم وفنون کو اعلیٰ جامعاتی سطح تک ہندی میں پڑھنا شروع کردیا۔ جہاں تک کہ اردو کی صلاحیت کا تعلق ہے، یہ انتہائی بودہ بلکہ بیہودہ نظریہ ہے کہ اردو میں علوم وفنون کے اعلیٰ نظریات وافکار اور سائنسی علوم کے پڑھانے کی استعداد اور صلاحیت نہیں۔ مرحوم جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۹۱۷ء میں قائم ہوا اور بھارت کے قبضہ دکن تک تمام علوم وفنون اردو میں تھے۔ اگر تیس سال کے عرصے میں ہماری نام نہاد قومی حکومتیں ملی نظریہ سے سرشار ہوتیں اور مغرب زدہ قیادت اور نوکر شاہی آڑے نہ آتی، کوئی وجہ نہیں تھی کہ اردو آج ان تمام علوم وفنون، سائنس اور ٹیکنالوجی کے مضامین کو پوری جانداری اور وضاحت کے ساتھ پڑھانے کے قابل نہ ہو جاتی، ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ عرب ممالک میں عربی، ایران میں فارسی، ہندوستان میں ہندی میں اور علیٰ القیاس ہر ترقی پذیر ملک میں ان کی قومی زبان ان کا ذریعۂ تعلیم وتدریس وفنی زبان ہے، انہوں نے دیگر زبانوں کے خزائن کو اپنی زبان میں منتقل کردیا ہے۔ ہمارے ہاں دارالترجمہ حیدرآباد دکن کے اردو میں منتقل کردہ ذخائر کو درخوراعتناء نہ سمجھا گیا (یعنی فائدہ لینے کے قابل) اور اپنے طور پر بھی اس میں کوئی مؤثر اقدام آگے نہ اٹھایا گیا، ہم غیر ملکی زبانوں کے پڑھنے پڑھانے کے مخالف نہیں اور نہ انگریزی کو ایک غیر ملکی زبان کے درجے میں پڑھنے کی مخالفت کرتے ہیں، لیکن انگریزی کا وہ استیلا جس نے اپنی زبان کا گلا گھونٹ دیا ہے، کسی صورت میں ایک زندہ، آزاد اور غیور قوم کا شیوہ نہیں ہوسکتا۔ اولاً انگریزی کو ہر ایک کے لئے لازمی اور لابدی قرار دینا ملکی اور قومی مفاد سے اعراض واغماض (منہ موڑنا) ہے، بلکہ ایک حد تک غداری کے مترادف ہے۔

تحریک پاکستان اور قائد اعظم کے زیر قیادت جو برکوچک (متحدہ ہندوستان) میں ملی استقلال (قوم کی آزادی) کی جنگ لڑی گئی، اس کے مقاصد میں قومی زبان کی حیثیت سے اردو

ایک بیّن اور نمایاں مقصد تھا، جو ایک نا قابل تردید تاریخی حقیقت ہے۔ ملک کے دو نیم ہونے کا ایک سبب اردو سے مجرمانہ اغماض (غفلت) بھی تھا۔

غیر ملکی نا آشنا زبان کی ایسی تعلیم و تدریس جو صرف انگریزی زبان دانی اور ادب پر مشتمل ہو، نئی پود کے ایک بڑے طبقہ کی صلاحیتوں کو ضائع کرنا ہے۔ اگر ہم علوم وفنون کیلئے اس زبان کو باقی رکھنا چاہتے، تو ہمیں انگریزی صرف ان لوگوں کیلئے واجبی درجے میں ضروری قرار دینی چاہئے جو کہ ان علوم وفنون کو حاصل کرنا چاہتے ہوں، جن کی کتابیں فی الحال اردو میں منتقل نہیں ہوئیں، لیکن ہمیشہ کے لئے انگریزی پر ہی تکیہ کرنا درست نہیں۔

کوئی قوم اپنی زبان کو چھوڑ کر دوسروں کی زبان پر انحصار نہیں کرسکتی۔ (جو کہ دوسروں کی تہذیب وتمدن اور معاشرت کی حامل ہوتی ہے) انگریزی کا یہ لزوم وشغف قوم میں ایک ایسے طبقے کی پیدائش کا موجب وذریعہ ہے جو پاکستانی ہونے کے باوجود اپنی ذہنی ساخت کی بناء پر غیر ملکی ہے۔ اس سے بڑھ کر ایک اور وجہ ہے کہ اردو طریقۂ تعلیم والے مدارس کے مدمقابل مستقلاً انگلش میڈیم سکول کے نام سے ایسے مدارس قائم کئے گئے ہیں اور کئے جارہے ہیں جو ہمارے اندر غیر ملکی استیلا اور غیر معاشرہ کی افزائش کا سبب ہیں۔ یہ انگریزی طریقہ تعلیم پر مبنی سکول شجر ملت کے اندر ایسا زہریلا پیوند ہے، جو قومی نشو نما کے بجائے اس کے ملی تشخص کو ہمیشہ کے لئے زہر آلود کردے گا اور حقیقی ملی امنگوں اور آرزوؤں کے خلاف ایسے افراد جنم دیتا رہے گا، جو ذہنی، فکری، معاشرتی لحاظ سے انتشار کا شکار ہوں گے اور نتیجۂ ملت ذہنی افراتفری (Anarchy) میں مبتلا رہے گی۔ ضرورت اس چیز کی ہے کہ پیشہ ورانہ سکولوں، کالجوں کے لئے ان مقصودہ علوم سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری کام چلاؤ یعنی Functional انگریزی کا اہتمام کیا جائے، جس سے یہاں تعلیم حاصل کرنے والے اپنے پیشہ ورانہ علوم وفنون میں استفادہ کرسکیں اور کیا ضروری ہے کہ صرف انگریزی ہی سے وفاداری کا ثبوت دیا جائے۔ انگریزی کی اس افادیت کے پیش نظر اور (دوسو سالہ) غلامانہ تعلق کی بناء پر

ایک حد تک ہمارے لئے آسان ہے، لیکن یہ زبان باوجود علوم وفنون کے خزائن کے بنیادی طور پر ایک تجارتی اور بنیا قوم کی زبان ہے۔فرنچ، جرمن، جاپان اور روسی زبانیں بھی علوم وفنون کے لحاظ سے اپنے اندر جدید سائنسی اور ٹیکنیکل علوم کے کثیر حصے کو لئے ہوئے ہیں، بلکہ جہاں تک عُمرانی علوم کا تعلق ہے، بلکہ بعض سائنسی علوم میں بھی جرمن زبان کا کوئی زبان مقابلہ نہیں کرسکتی۔فرنچ زبان علوم ِعُمرانی میں دنیا کی پہلی زبان ہے۔آخر کیا وجہ ہے کہ تمام ملکوں کی زبانوں سے بے اعتنائی برتی جائے اور انگریزی کو صرف اوڑھنا بچھونا بنایا جائے، سوا اس کے کہ ابھی تک انگریز کا ذہنی اقتدار ہماری نوکرشاہی اور قیادت کے ذہنوں سے دور نہیں ہوا۔اصلاح کا پہلا قدم ہے کہ ہمت اور جرأت سے کام لیتے ہوئے قومی زبان کو پوری طرح ابتدائی مدارس سے لے کر جامعاتی تعلیم تک ذریعۂ تعلیم بنایا جائے۔اعتراض کیا جاتا ہے کہ ہمارے پاس نہ کتابیں ہیں، نہ رسائل ہیں، نہ ٹائپ رائٹر ہیں، نہ مختصر نویس، اس کے لئے کیا کیا جائے۔زندہ قومیں جب غیر ملکی غلامی کا جوا اپنے کندھوں سے اتار پھینک دیتی ہیں، تو ہمت اور جرأت کے پیروں سے وہ پرواز اختیار کرتی ہیں، جن کے سامنے یہ مشکلات کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ جب تک اس فرسودہ پرانی غلامانہ راہ کو نہیں چھوڑتے اور نئے آزاد خاص قومی مفاد پر مبنی راستے پر قدم نہیں اٹھاتے نہ اس راستے کی مشکلات و ضروریات سامنے آئیں گی اور نہ اس کا مداوا (علاج) اور تکمیل ہوسکے گی۔

غلامی کے دور میں ۱۹۴۷ء تک کہا جاتا ہے کہ مسلمان حساب نہیں جانتا، یہ میزانیہ (Budget) کیسے بنائیں گے۔ ہندوؤں کے بعد تجارت کیسے چلے گی۔ جب سر پر آئی تو تمام کام سنبھال لئے۔ بلکہ لیاقت مرحوم نے انٹیرم گورنمنٹ میں چودھری محمد علی کے ذریعے ایسا میزانیہ (Budget) تیار کروایا کہ پٹیل جیسا آدمی بوکھلا اٹھا اور گاندھی کو تقسیم ہند پر مجبور کردیا۔بات یہ ہے۔

جو آسان سمجھو تو ہے عشق آسان!

جو دشوار سمجھو تو دشواریاں ہیں!

باقی حیلہ جُو اور بہانہ ساز طبیعتوں کے بارے میں ہم اتنا کہیں گے کہ رکاوٹوں کا جو مرثیہ اور ماتم کیا جارہا ہے، اس کی حیثیت سوائے اس کے کچھ بھی نہیں کہ

کیسی گلی رقیب کی کیا طعن اقربا!!!

تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

میری میں، فقیری میں، شاہی میں، غلامی میں

کچھ کام نہیں بنتا ہے بے جرأت رندانہ!!!

دوسرے جز کا جواب تو اصلاً اہل اقتدار سے پوچھنا چاہئے، ہمارے نزدیک تو جب تک مغرب کی مرعوبیت اور قیادت اور بیوروکریسی (نوکرشاہی) کی انگریز نوازی بلکہ انگریزی پرستی اور ذہنوں سے یورپ کا استیلا ختم نہیں ہوتا، نہ انگریزی کی بالا دستی ختم ہوگی، نہ اردو کو اس کا صحیح مقام ملے گا۔ ھٰذا ماعندی واللّٰہ یعلم وعلمہ اتم.

اللہ کرے کہ اس ژولیدہ بیان کی یہ پریشان خیالی، آپ کے سوالات کی گرہ کشائی کر سکے۔ اقبال مرحوم کے ایک شعر پر اپنے مفروضات کو ختم کرتا ہوں۔

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم

کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع ان شاء اللہ ۲۳/اپریل ۲۰۱۶ء بروز ہفتہ جامعہ عبداللہ بن عمر نزد پنیاں، ہری پور میں منعقد ہوگا۔ یہ جاتے ہوئے سڑک کی بائیں طرف ہے۔

روانگی دن دو بجے خانقاہ سے ہوگی۔ برائے رابطہ:

0332 193 8443, 0313 955 1030

مسلمانوں کی تباھی کی وجوھات

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

اس وقت مغربی دنیائے کفر کو سب سے بڑا خطرہ اسلام اور مسلمانوں سے ہے۔ اس خطرے کا پہلا پہلو دنیائے اسلام کی بڑھتی ہوئی آبادی ہے۔ آبادی کے بارے میں یہ اصول ہے کہ کسی قوم کی آبادی ۱.۹ فیصد سالانہ بڑھ رہی ہو تو وہ باقی رہ سکتی ہے۔ اس سے نیچے آجائے تو یہ آبادی مٹنے کی طرف بڑھ رہی ہے اور اگر یہ شرح ۱.۴ فیصد سے نیچے ہو جائے تو اس آبادی کا خاتمہ یقینی ہو جاتا ہے۔ اس وقت اکثر یورپی ممالک کی آبادی کا اضافہ ۱.۹ فیصد سے نیچے ہو چکا ہے جبکہ مسلم ممالک میں یہ شرح ۳ فیصد ہے۔ اس وقت یہ ممالک باوجود کوشش کے اور اولاد پیدا کرنے کی بے انتہا مراعات دینے کے اپنے معاشرے کو شادی اور افزائشِ نسل پر تیار نہیں کر سکے۔ اس میں دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ پنجاب میں نافذ ہونے والے حقوق نسواں کی طرح ایسے بے تکے قوانین بھی موجود ہیں جو خاوند کے لئے شادی سے بھاگنے کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ اس وقت مغربی ممالک تھوک کے حساب سے ہمارے لوگوں کی نقل مکانی (Immigration) اگر قبول کر رہے ہیں تو وہ ہم پر احسان کرنے کے لئے یا ہماری محبت کی وجہ سے نہیں کر رہے بلکہ ان کی گھٹتی ہوئی آبادی اس بات کا تقاضا کر رہی ہے کہ باہر سے آنے والے لوگوں نے معاشرے کی ذمہ داریوں کو نہ سنبھالا تو ان کی زندگی مشکل ہو جائے گی۔ اس مسئلے کا حل انھوں نے یہ نکالا ہے کہ اسلامی دنیا کی آبادی بڑھ نہ جائے اور مسلمان بے دین ہو کر ان کے رنگ میں رنگ جائیں تو ان کے بچاؤ کی صورت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ہر روز دنیائے اسلام میں ایسے منصوبے چلاتے ہیں جو بڑھتی ہوئی آبادی کو روکنے کا ذریعہ بنیں۔ ان کا دوسرا منصوبہ مسلمان کو اس طریقے سے گمراہی پر ڈالنا ہے کہ اس کا ایمان، عمل، غیرت، حیاء، سب چیزیں کمزور ہو کر اس سے نکل جائیں۔ اس کے لئے سودی قرضہ دینے کے ساتھ اسلامی ممالک کے نصاب تعلیم میں تبدیلیوں کی شرطیں عائد کرنا، ان کی حکومتوں سے حقوق نسواں کی طرح

قوانین پاس کروانا، مخلوط ماحول اور مخلوط تعلیم کی پابندیاں لگانا، یہ سارے وہ ہتھکنڈے ہیں کہ جن کے ذریعے وہ مسلمان کو اسلام سے خالی مسلمان بنانا چاہتا ہے۔ اسلام سے خالی مسلمان بنانے کی آخری علامت یہ ہوتی ہے کہ مسلمان عورت سکرٹ (آدھی رانوں تک جانگیا) پہن کر اور آستینوں کے بغیر قمیص پہن کر بغیر دوپٹے کے کھلے عام پھرنے لگے اور اس معاشرے میں اتنی جان نہ رہے کہ اسے کوئی روکے۔ جب مسلمان اس سطح تک پہنچ جاتا ہے تو کافر کے نزدیک یہ وقت اس پر چڑھ دوڑنے کا ہوتا ہے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے ایسے ہی فلسطین میں ہوا، ایسے ہی افغانستان میں ہوا، ایسے ہی عراق میں ہوا۔ بیوقوف حاکم آنکھیں بند کئے ہوئے اسی راستے پر چل رہے ہیں جس کا انجام اوپر بیان ہو گیا۔ اس انجام سے سب سے زیادہ نقصان، ذلت، بے عزتی اور مالی جانی مشکلات اسی بڑے طبقے کو ہوں گی۔ ہم لوگوں کے پاس تو اگر کچھ نہ رہا تو پھر اپنی بچی کھچی زمینوں کو کھود کر اور جانور پال کر جھونپڑوں میں گزر بسر کا سامان کر لیں گے۔

جنرل ضیاء الحق کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ مانسہرہ جاتے ہوئے طوفانِ بادوباراں نے جنرل ضیاء الحق کے ہیلی کاپٹر کو گھیر لیا۔ آپ کے حکم پر ہیلی کاپٹر فوراً زمین پر اتار لیا گیا۔ جس جگہ ہیلی کاپٹر اترا اس کے قریب ہی ایک چھوٹا سا گھر تھا، چھپر کے نیچے ایک بوڑھا شخص بیٹھا تھا۔ جنرل صاحب سادہ کپڑوں میں تھے۔ انھوں نے باباجی کو سلام کرنے کے بعد پوچھا: ''باباجی! میں یہاں نماز پڑھ سکتا ہوں؟'' باباجی نے جواب دیا: ''بیٹا پڑھ لو۔'' جنرل صاحب نے نماز پڑھنے کے بعد باباجی سے مخاطب ہو کر کہا: ''میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں۔'' جب باباجی کو پتا چلا کہ ان سے بات کرنے والے صدرِ پاکستان جناب محمد ضیاء الحق ہیں تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے روتے ہوئے جنرل صاحب کو بتایا کہ میں وزیرِ اعلیٰ سرحد کا چپڑاسی تھا، اب ریٹائر ہو چکا، حج کی درخواست لے کر جب وزیرِ اعلیٰ سرحد کے پاس گیا تو دھکے دے کر نکال دیا گیا۔ اگر آپ میرے لئے کچھ کرنا ہی چاہتے ہیں تو مجھے حج کروا دیں۔ جنرل صاحب نے باباجی کی بات سن کر پوچھا: ''آپ کی اہلیہ زندہ ہیں؟'' باباجی نے کہا کہ جی زندہ ہیں۔ جنرل صاحب نے کہا کہ آپ اکیلے حج پر کیوں جا رہے ہیں، اپنی بیوی کو بھی ساتھ لیتے جائیں جس نے ساری زندگی آپ کا ساتھ دیا۔ جنرل صاحب نے کہا کہ آپ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے تھے اس لئے اللہ میاں نے کان پکڑ کر مجھے آپ کے پاس بھیج دیا ہے۔ (انتخاب: مولوی محمد بلال صاحب)

ملفوظاتِ شیخ۔ڈاکٹر فدامحمد صاحب دامت برکاتہٗ (قسط۔۷۶)

(ظہورالٰہی فاروقی صاحب)

علم کی تکمیل کے بعد شخصیت کی تعمیر کی ضرورت ھوتی ھے:

فرمایا کہ ہمارا ایک برخوردار پشاور یونیورسٹی میں اسسٹنٹ رجسٹرار لگ گیا۔اس سے میں نے کہا کہ آپ کی تعیناتی (Appointment) ہورہی ہے۔اگر تھانویت سیکھ لی تو وی سی کی کرسی پر بٹھاؤں گا تجھے ان شاءاللہ۔کیونکہ تھانویت ایسی سنگِ پارس ہے،اتنا متوازن طرز ہے زندگی کا،کہ ہر جگہ آدمی چھا جاتا ہے۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ،ملفوظات اور سوانح،سب چیزوں کو دیکھیں تو اس کا اندازہ آپ کو خود ہو جائے گا۔ایک بات کا گلہ اور افسوس ہے کہ علمائے کرام جب فارغ ہو جاتے ہیں تو ان کا جذبہ ہوتا ہے کہ حدیثوں کی اور آیتوں کی تفسیر اب میں خود کیا کروں گا۔ مردِ درویش میں یہ بات میں نے لکھی ہے کہ ایک آدمی ٹماٹر،پیاز،مصالحہ،گھی،گوشت،سبزی،ساری چیزیں لا کر چھوڑ دے گھر میں اور شام کو لوگ آئیں اور کہیں کہ ہم کھانا کھائیں گے تو کوئی چیز بھی کھانے کے قابل نہیں ہوگی کیونکہ پہلے پیاز کاٹ کر ڈالتے ہیں،اس کو سرخ کرتے ہیں،اس کے بعد ٹماٹر ڈالتے ہیں پھر ہلدی ڈالتے ہیں پھر باقی مرچیں مصالحے ڈالتے ہیں،پھر خوشبو کی ایک حد ہوتی ہے،وہ خوشبو جب نکلتی ہے تو اس سے اگر آپ نے ایک منٹ زیادہ کر دیا تو ذائقہ نہیں ہوگا اور ایک منٹ کم کر دیا تب بھی وہ ذائقہ نہیں ہوگا،تب کہیں جا کر سالن بنتا ہے۔اب اس کا ذائقہ بھی ہے اور زود ہضم بھی ہے۔

اسی طرح شخصیت سارے علمی مواد کے جمع ہونے کے بعد بنائی جاتی ہے۔شخصیت تب بنتی ہے جب یہ سارے علوم اس کے اندر راسخ ہوتے ہیں اور جگہ پکڑتے ہیں اور پھر اس کے بعد اس کے عمل سے بصورت اعمالِ صالحہ،اعمالِ آخرت اور اس کی زبان سے بصورتِ فیضان نکلتے ہیں۔

تصوف ایک نفیس چیز ہے جو طلب اور عقیدت چاھتی ہے:

فرمایا کہ یہ اخباروں میں آئی ہوئی بات ہے اس لئے میں کہہ دیتا ہوں، اخباروں میں نہ آئی ہوتی اور میں کہہ دیتا تو غیبت ہوتی۔حکومت رِنگ روڈ بنا رہی تھی، اس کے لئے بڑا قابل بیوروکریٹ لائے جو کہ فوج میں میجر رہا ہوا تھا، اس کے بعد سی ایس ایس کر لیا۔ اس نے خود چل پھر کر ساری زمینوں کا سروے کیا اور اتنے پیسے اس میں اپنے لئے پیدا کئے کہ توبہ۔ ان بیوروکریٹوں کو اللہ ہدایت دے۔ ان کے تو منہ کھول کر اس کے اندر نوٹ ٹھونسنے چاہئیں تا کہ اس سے یہ مریں۔ تب ان کا دل ٹھنڈا ہوگا۔ یہ پیسے کے بچے اور کاغذ کے بچے ہیں، ان کے اندر انسانیت نہیں ہوتی۔ نیب - NAB) (National Accountability Beureau میں جب پکڑا گیا اور انھوں نے تین چار سال رگڑا دیا تو سارے ایئر کنڈیشن کے مزے اور مرغ مسلّم کے زبان پر ذائقے، اور پھولوں اور کلیوں کو چھونا، سارا دھرا کا دھرا رہ گیا۔ اس کے بعد جب چھوٹا تو تبلیغ میں چار مہینے لگا کر آیا۔ ان کے محلے میں جنرل جاوید ناصر کی جماعت آئی ہوئی تھی۔ ہمارا ایک مرید بھی گیا ہوا تھا، کہتا ہے کہ میں اس آدمی سے ملا، اس کے حالات کو جو میں نے دیکھا تو اندازہ ہوا کہ اس کا پہلا کام تو ہو گیا ہے لیکن اب دوسرا کام مشائخِ تصوف کے بغیر نہیں ہو سکے گا۔ کہنے لگا میں چھوٹی عمر کا لڑکا تھا، وہاں بڑے بڑے افراد بیٹھے ہوئے تھے، میں کیا سمجھاتا اسے اور کیا کہتا۔ بندہ سے کہا کہ آپ اس آدمی کی کوئی فکر کریں۔

بندہ نے عرض کیا کہ تصوف تو ایک نفیس چیز ہے جو طلب اور عقیدت چاہتی ہے۔ جب تک کہ آدمی خود عاجزانہ طور پر طلب اور عقیدت کے ساتھ نہ آئے تو فیض نہیں ہوتا۔ ضروری ضروری دِین بے طلب لوگوں کو جمع کر کے بھی تبلیغی ترتیب پر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ فیضِ عام ہے، جب کہ تصوف فیضِ تام ہے۔ ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ اس آدمی نے خودکشی کر لی۔ ریشم کا کیڑا توت کے پتّے کھاتا ہے اور ریشم بناتا ہے اور اپنے گرد لپیٹتا ہے، لپیٹتا ہے، یہاں تک کہ ایک دن اس کو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ساری لپیٹ تو جیل تھی جس کے اندر وہ مر گیا، کوئی راستہ ہی نہ رہا نکلنے کے لئے، وہی قبر بن گئی۔ یہی

انسان کا حال ہوتا ہے۔تربیت تو ماحول میں ہے،صحبت میں ہے۔آدمی اپنے آپ کو پابند کرے گا، اپنی نگرانی اورنگہداشت کرے گا،اپنے بارے میں فکر مند ہوگا۔پھراگراللہ نےفضل فرمادیاتو کام ہو جائے گا۔

تربیت کے لئے اپنے آپ کو حوالے کرنا ہوتا ہے:

فرمایا کہ ہمارے ایک دوست ہیں وہ مجھے موٹرسائیکل پر پیچھے بٹھا کرلاتے لیجاتے تھے۔ کافی شاپ کا جوتنگ رستہ ہے جہاں پر پہلے تارلگی ہوئی تھی،اس سے گزرتے ہوئے مجھ سے کہتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب!جب پیچھے مولوی یوسف بیٹھے ہوئے ہوں یا آپ بیٹھے ہوں تو میں تنگ نہیں ہوتا ہوں جبکہ کسی اورکوبٹھایاہواہوتو وہ مجھ سے کنارے والی تار سےٹکراجاتا ہے۔میں نے کہا:

''دراصل ہم اپنے آپ کوآپ کے حوالے کئے رکھتے ہیں کیونکہ ہمیں اندازہ ہے کہ آپ جب گزریں گےتو آپ کے گھٹنےنہیں ٹکرائیں گےتو ہمارے بھی نہیں ٹکرائیں گے۔اصل میں ہماری بنیادی Training یعنی تربیت ہی اس طرح ہوئی ہے کہ ہم نے اپنے آپ کوایک آدمی کےحوالے کیا تھا جس کے بارے میں اس بات کا یقین تھا کہ وہ اپنا دین بھی بچائے گا اورہمیں بھی بچائے گا۔بس آنکھیں بندکرکےہم پیچھے چلتے رہتے تھے۔اسی طرح یہاں موٹرسائیکل پر بیٹھ کرخودکوآپ کےحوالے کرتے ہیں۔ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے آپ کوبھی بچاناہےاورہمیں بھی بچاکرنکالنا ہے۔ اس لئے آپ ہنرمندی سے گزار لیتے ہیں۔''

انھوں نے کہاہاں واقعی یہی بات ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو شریعت اور دین دیا ہے بہت عملی چیز ہے:

فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نےہمیں جوشریعت اوردین دیاہے بہت عملی چیز ہے۔اس کو جب فلسفی برٹرینڈرسل (Bertrand Russell) نے پڑھاہےتوافسوس کااظہارکیاہے کہ اس کو میں لے نہ سکا،اب کیا کروں!اور جب لینن (Lenin) کو دعوت دی گئی ہے تو اس نے کہا کہ ہائے

افسوس! یہ تو واقعی ہم سے زیادہ مساوات کی چیز ہے لیکن ہم اب اس کو کیسے لیں! ابھی بھی مغربی ممالک میں ہم جاتے ہیں اور کفّار کو دعوت دیتے ہیں تو وہ دعوت سننے کے بعد بالکل تیار ہوتے ہیں، بلکہ ایک ڈاکٹر نے خود مجھے واضح طور پر کہا کہ مجھے یہ دین بہت پسند ہے، میں اسے لینا چاہتا ہوں لیکن اس کے راستے میں شراب اور بدکاری آڑے آرہی ہے۔ میں اس کو کیسے چھوڑوں گا؟ یہ نعمت اور رحمت اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم اور آپ کو دی ہے۔ پھر اس کے ساتھ صوفیاء کی تربیت، جس کے لئے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں اور جس دعوت کو لے کر چل رہے ہیں اور جس کی طرف آپ کو بلا رہے ہیں، یہ صوفیاء کی تربیت تو مسِ خام کو کندن (تانبے کو سونا) بنا دینے والی ہے۔

ہمارے بڑے حضرت، جناب مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، وہ ہمارے حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ ''سنگِ پارس'' ہے! سنگِ پارس اس پتھر کو کہتے ہیں کہ لوہے کو لگتا ہے تو سونا بنا دیتا ہے۔ تو فرماتے کہ یہ سنگِ پارس ہے، اس سے فائدہ اُٹھالو۔ اس چیز کے لئے صحبت کا ایک عرصۂ دراز چاہیے ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ باطن میں تعلق مع اللہ، ضبطِ نفس اور اصلاحِ باطن جڑ پکڑتے ہیں اور اس کے بعد پھر یہ نفسانی مزے اور یہ چسکے، جن کے پیچھے تُو اور میں پڑے ہوئے ہیں، اگر کوئی گردن پر تلوار رکھ کر بھی کہے کہ ان نفسانی باتوں کو اختیار کرو تو آدمی جان قربان کر دیتا ہے لیکن ان نفسانی باتوں کو اختیار نہیں کرتا۔ اتنی اللہ تعالیٰ پختگی نصیب فرماتا ہے۔ ہم نہ سیکھیں اور نہ لیں تو یہ ہماری مرضی ہے، ورنہ سودا منڈی میں پڑا ہوا ہے اور بڑا ارزاں بِک رہا ہے، بس لینے کے لئے خریدار چاہیے۔ اس کے لئے آدمی ہمت کر کے آگے بڑھے۔ بفضلہٖ تعالیٰ یہ تو ایسی چیز ہے کہ آخرت کو تو چھوڑیں دنیا کے لحاظ سے آپ کو لا کر ایسے مقام پر کھڑی کرے گی کہ تاجروں میں ہوگے تو ان میں صفِ اول میں چل رہے ہوگے اور زمینداروں میں ہوگے تو اس جگہ پر بھی اول آؤ گے۔ ان شاء اللہ تم ہی تم ہوگے اور لوگ منتیں کر کے اپنے سر پر بٹھانے کے لئے پکاریں گے۔

اللّٰہ تعالیٰ کے تعلق کی کیفیتیں اور شانیں ہیں، جو اس راستے پر محنت کرنے والوں اور پرہیز کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہیں:

فرمایا کہ ایمان والے بہت شدت سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے والے ہیں۔ محبت نفسیات کی رُو سے دو قسم کی ہوتی ہے، ایک کو کہتے ہیں طبعی محبت اور دوسری کو کہتے ہیں عقلی محبت۔ ایک آدمی پیاسا ہو، اس کو پانی ملنے کی چاہت اور محبت ہو، پیاس اس شدت سے وہ اپنے اندر محسوس کر رہا ہے اور اس کو اس وقت ایک کشش اور جذب پانی کی طرف ہو رہا ہے تو یہ طبعی محبت ہے۔ اس کو اندر محسوس کر رہا ہے اس کو پانے کی کوشش بھی کر رہا ہے یہاں تک کہ اس کو پا لیتا ہے اور پی لیتا ہے تو اس کو تسلی ہو جاتی ہے، گویا اس کے اندر اس اُٹھنے والی محبت کے تحت جو جذبہ تھا اس کا مداوا اور علاج ہو گیا۔

ایک آدمی ہے اس نے بارانی علاقے میں اپنی زمین میں دو من گندم کاشت کر لی۔ دو من گندم تقریباً بیس کنال زمین میں کاشت ہوتی ہے۔ تخم والی گندم ملتی ہے اٹھارہ سے دو ہزار روپے من۔ چھتیس سو روپے کی اس نے گندم کاشت کی۔ دیگر خرچے اس کے علاوہ۔ اب اگر بارش ہوگی تو یہ اگ جائے گی اور فصل ہوگی، بارش نہیں ہوگی تو یہ نہیں اُگے گی اور جو پانچ چھ ہزار روپے خرچہ کیا تھا وہ بھی ضائع ہو جائے گا۔ اب اس آدمی کو بھی پانی کی چاہت اور طلب ہے، اس کو بھی چاہت ہو رہی ہے، طلب ہو رہی ہے لیکن اس کی اور پہلے آدمی کی چاہت میں فرق ہے، اس کو نہ تو دل میں محسوس ہو رہا ہے پیاس کی طرح اور نہ اس کو پیاسے کی طرح پانی کی کشش ہو رہی ہے۔ لیکن عقلی طور پر اسے زیادہ اہمیت کے ساتھ محسوس کر رہا ہے کہ پانی کی ضرورت ہے ورنہ فصل نہیں ہوگی۔ ایک تو خرچہ پانچ چھ ہزار کا ضائع ہوگا اور دوسرا یہ کہ فصل نہیں ہوگی تو میرے بال بچے کیا کھائیں گے، محتاج ہونا پڑے گا، بھیک مانگنی پڑے گی۔ تو اس آدمی کو ایک درجے میں پہلے آدمی سے زیادہ پانی کی طلب اور چاہت ہے لیکن اس کو محسوس نہیں کر رہا۔ یہ عقلی محبت ہے۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ جو شدتِ محبت مؤمنین کی بیان کی گئی ہے "والذین امنوا اشد حباً لِلّٰہ" (مؤمنین بہت شدت سے، بہت زوردار طریقے سے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ ذوالجلال سے محبت کرنے والے ہیں) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عبداللہ بن مسعود! مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (ﷺ) قرآن تو آپ پر نازل ہوا ہے، آپ مجھ سے فرماتے ہیں کہ سناؤ۔ فرمایا: ہاں! میرا دل چاہتا ہے کہ آپ ہمیں سنائیں۔ کہا: میں نے پڑھنا شروع کیا "وجئنا بک علیٰ ھؤلآء شھیدا" (وہ کیسا وقت ہوگا جس وقت کہ آپ ﷺ کی امت کو ساری امتوں پر گواہ بنا کر پیش کیا جائے گا اور پھر اس گواہی کو پکا کرنے کے لئے آپ ﷺ کو سب پر گواہ لایا جائے گا اور یہاں تک کہ اس امت کی گواہی پر اور آپ ﷺ کی گواہی پر ساری اقوامِ عالم کا محشر کے میدان میں فیصلہ ہو جائے گا) کہتے ہیں کہ یہ آیتیں جب پڑھیں تو حضور ﷺ کے چشم مبارک سے آنسو جاری ہوئے کیونکہ محبوب کا کلام، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ ذوالجلال کا کلام تھا اور اس میں حضور ﷺ سے کیا گیا خطاب، اس لئے اتنی کشش تھی۔ اسی طرح صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کے تذکرے بھی آئے ہوئے ہیں۔

ایک صحابیؓ نے کہا کہ یارسول ﷺ! رات جب میں تلاوت کر رہا تھا، اس وقت میں نے ایک خاص کیفیت محسوس کی، اس وقت ایک تو بادلوں کا اُبر آیا اور ایک یہ کہ میرا گھوڑا اچھلنے لگا اور ہنہنانے لگا اور مجھے خطرہ ہوا کہ میرا چھوٹا بیٹا ہاشم جو پاس پڑا تھا کہیں اچھلنے کودنے سے گھوڑے کے قدموں کے نیچے نہ آجائے، اس لئے میں نے تلاوت موقوف کی، میں نے جب دوبارہ پڑھنا شروع کیا تو وہ جوش کی کیفیت پھر اندر طاری ہوئی، گھوڑے پر بھی وہ کیفیت طاری ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو پڑھنا جاری رکھتا تو یہ مدینہ منورہ کے پہاڑ اور وادیاں یہ بھی تیرے ساتھ پڑھتیں کیونکہ جس کیفیت کو تو محسوس کر رہا تھا اور اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کو پڑھ رہا تھا اس وجد کو یہ گھوڑا بھی محسوس کر رہا تھا، اس لئے وہ بھی اچھلنے لگا۔ حضرت داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے تھے تو پہاڑوں پر اور

پرندوں پر بھی مستی اور وجد کی کیفیت طاری ہوتی تھی۔ پہاڑ اور پرندے بھی ان کے ساتھ پڑھنے لگتے تھے۔تو یہ طبعی کشش ہے جو کہ اشد حبا للّٰہ کا طبعی پہلو ہے۔اسی طرح اور بہت سے واقعات ہیں۔

ایک دفعہ عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے اور تلاوت کر رہے تھے۔انہوں نے پڑھا: فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ۙ فَذٰلِکَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ ۙ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ (المدثر:۸۔۱۰) (جب وہ صور پھونکی جائے گی) تو اس میں قیامت کے برپا ہونے کے حالات کا تذکرہ ہے۔اس کو بار بار پڑھنے لگے اور ان پر حال اور کیفیت اور وجد طاری ہوا۔وہ بار بار پڑھ رہے تھے، پڑھ رہے تھے، خالی کمرہ تھا، یہاں تک کہ ایک کونے سے آواز آئی کہ تُو کب تک اس کو پڑھتا رہے گا! تیرے پڑھنے سے تین جنوں کی تو موت ہوگئی۔جنوں پر ایسی کیفیت آئی کہ اس کو برداشت نہ کر سکے اور ان کی جان نکل گئی۔

سبحان اللہ! یہ اللہ تعالیٰ کے تعلق کی کیفیتیں ہیں، شانیں ہیں، جو اس راستے پر محنت کرنے والوں، پرہیز کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہیں، ان پر طاری ہوتی ہیں۔دوسرا پہلو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا ہے، اس کو عقلی محبت کہتے ہیں اور اطاعت کہتے ہیں۔اطاعت میں خوب کوشش کرنا کہ جو جو احکامات دیئے گئے ہیں، جیسے جیسے دیئے گئے ہیں، خوب کوشش کے ساتھ بجالانا۔فرض، واجب، یہاں تک کہ مستحبات کو بجالانا اور خوب کوشش کرنا کہ خطا نہ ہوجائے۔تو یہ محبت کا عقلی پہلو ہے یعنی اطاعت کرنا۔ (جاری ہے)

خرم آں روز کہ از منزل ویراں بروم
راحتِ جاں طلبم و سوئے جاناں بروم

کیا خوشی کا دن ہوگا جب ویرانے سے جائیں گے
جان کی راحت پائیں گے جاناں سے جامل جائیں گے

(منظوم ترجمہ از حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ)

(قسط۔۵)

شیخ الہندؒ کا احسانی و عرفانی مقام

(مولانا ڈاکٹر محمد ظفر اقبال صاحب، کراچی)

شیخ الہندؒ: اتباع شیخ کا مثالی نمونہ

اس مقام پر اگرچہ یہ واقعہ شیخ الہندؒ کے معمول کی پابندی اور طلبا کے حق میں شفقت و رعایت کی غرض سے بیان کیا گیا ہے، لیکن اگر اس سے متصل ایک اور اہم واقعہ بیان نہ کیا جائے تو بات ادھوری رہ جائے گی اور منازل سلوک واحسان میں شیخ کی اتباع کامل کے متعلق شیخ الہندؒ کا اسوہ پوری طرح نکھر کر سامنے نہیں آسکے گا۔ شیخ الہندؒ کا یہ معمول ذکر کیا جاچکا ہے کہ آپ کا جمعرات کے روز چھ گھنٹے پڑھانے کے بعد دیوبند سے گنگوہ پیدل جانے کا معمول تھا۔ ایک دفعہ:

''شیخ الہندؒ کے دوست نے جو زمانہ طالب علمی سے دوست تھے اور بعد میں سرکاری ملازمت اختیار کرلی تھی، پوچھا کہ او محمود! بتا تو دے، گنگوہ میں کیا رکھا ہے جو تو ہر جمعرات کو دوڑا دوڑا جاتا ہے؟ شیخ الہندؒ نے جواب دیا: ظالم تو نے پی ہی نہیں! اب کے تو بھی چل! ـــــــ وہ ساتھ جانے پر تیار ہوگیا، چناں چہ ساتھ لے گئے، اتفاق سے ان دنوں شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے مزار پر عرس ہورہا تھا۔ حضرت امام ربانی (گنگوہیؒ) کا معمول عرس کے ایام میں ابتداً تو یہ تھا کہ ان دنوں میں گنگوہ چھوڑ دیتے تھے، خانقاہ خالی کردیا کرتے تھے اور جب معذور ہوگئے تھے تو سفر ترک فرمادیا تھا۔ ہاں! خانقاہ میں نہیں آتے تھے، البتہ نماز کے لیے پانچوں وقت تشریف لاتے، بلکہ نماز خود ہی پڑھایا کرتے تھے۔ اتنا لحاظ عرس والے بھی کرتے تھے کہ اذان کے وقت سے جماعت ختم ہوجانے اور سنتیں وغیرہ پڑھنے تک قوالی بند کردیا کرتے تھے۔ ان ایام میں حضرت کے یہاں مہمانوں کی آمد ورفت بالکل بند رہتی تھی، کسی سے مصافحہ تک نہیں کرتے تھے ـــــــ غرض حضرت شیخ الہندؒ رات

کے وقت گنگوہ پہنچے اور حضرت کے مکان پر حاضر ہوئے۔ حضرت نے دیکھتے ہی ڈانٹنا شروع کردیا اور فرمایا، ابھی واپس جاؤ۔ آپ (شیخ الہندؒ) کے ایک اور بھائی اور دوست تھے شاہ مظہر حسین گنگوہیؒ، مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ محشی ابو داؤد کے بھائی، انھوں نے عرض کیا، حضرت! یہ عرس میں شرکت کے لیے نہیں آئے، آپ کے پاس آئے ہیں۔ حضرت (گنگوہیؒ) نے ارشاد فرمایا، میں بھی جانتا ہوں عرس میں شرکت کے لیے نہیں آئے، میں اتنا بھولا نہیں ہوں۔ میرے پاس آئے ہیں، مگر آئے تو ہیں اس مجمعے میں ہو کر، ان کے ذریعے اس مجمعے کی رونق تو بڑھی، من کثر سواد قوم فھو منھم (جس نے کسی قوم کے افراد میں اضافہ کیا وہ ان ہی میں سے ہے) وارد ہوا ہے، قیامت کو اپنی برأت کرتے رہیں۔ اس کے بعد شاہ مظہر حسین گنگوہیؒ ان (شیخ الہندؒ) کو اپنے مکان پر لے گئے اور کہا روٹی تو کھالو، اس پر حضرت شیخ الہندؒ نے آب دیدہ ہو کر فرمایا کہ "حضرت تو فرماویں ابھی چلا جا، میں کس منہ سے کھاؤں!" چناں چہ اسی وقت گنگوہ سے واپس ہو گئے پھر دوسرے وقت عرس ختم ہونے کے بعد حاضر ہوئے"۔

(محمود حسن گنگوہیؒ، ملفوظات فقیہ الامت، جلد۱، صفحات ۱۰۶-۱۰۷، قسط اول)

شیخ الہندؒ: استاذ نانوتوی کی خدمت: ۲۲ میل کا پیدل سفر:

جس انسان کا نفس اس درجے مزکی اور مطہر ہو چکا ہو، اس کا قلب اپنے محسنین اور اساتذہ، جن سے اسے علم وفضل اور صلاح وتقویٰ بلکہ ایمان میں رسوخ اور عمل میں دوام کی دولت میسر آئی ہو، کی محبت سے کس درجے لبریز ہوگا اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ یہ محبت ہی انسان کو محبوب کا خادم اور محبوب کو مخدوم بناتی ہے۔ اس خدمت کا صرف ایک نمونہ دیکھئے، ایک مرتبہ مولانا نانوتویؒ کو بخار تھا۔ زمانہ برسات کا تھا اور آنا دیوبند تھا۔ شیخ الہندؒ نے استاذ نانوتویؒ کو گھوڑے پر سوار کیا، ایک ہاتھ سے اس کی لگام پکڑی اور ایک ہاتھ سے رکاب کے قریب ہو کر حضرت کی کمر کو سہارا

دیا اور اس طرح ۲۲ میل کا راستہ پیدل طے کیا۔

(عزیز الرحمٰن بجنوریؒ، تذکرہ مشائخ دیوبند، بجنور: زرین کتب خانہ، ۱۹۵۸ء، صفحہ ۲۰۲)

۲۲ میل کا پیدل سفر —— یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو استاذ کی محبت نے بے خود کر دیا ہو۔

شیخ الہندؒ: مولانا نانوتویؒ کے والد کی اولاد سے بڑھ کر خدمت:

چلیئے حضرت نانوتویؒ تو استاذ تھے، اس طرز کی خدمت کی مثالیں ڈھونڈنے سے دیگر باصفا حضرات کے یہاں بھی مل جائیں گی۔ لیکن ایک واقعہ اس سے زیادہ حیران کر دینے والا ہے جو استاذ نانوتویؒ سے نہیں بلکہ ان کے والد محترم سے متعلق ہے۔ مولانا قاری طیبؒ لکھتے ہیں:

''حضرت نانوتوی کے والد شیخ اسد علی مرحوم جب مرض وفات میں شدید مبتلا ہوئے تو علاج کے لیے دیوبند لائے گئے، قیام شیخ الہند کے مکان پر ہوا، دستوں کا مرض تھا...... ایک دفعہ دست چارپائی پر خطا ہو گیا اس وقت حضرت نانوتوی بھی یہاں موجود نہ تھے، حضرت شیخ الہند موجود تھے اور صورت ایسی ہو گئی کہ نجاست اٹھانے کے لیے ظرف بھی نہ تھا۔ حضرت شیخ الہند نے بے تکلف ساری نجاست اپنے ہاتھوں اور ہتھیلیوں میں لے لی اور سمیٹنی شروع کر دی، تمام ہاتھ گندگی میں آلودہ ہی نہ تھے بلکہ ہاتھوں میں نجاست لبریزی کے ساتھ بھری ہوئی تھی۔ حضرت نانوتوی پہنچ گئے اور دیکھا کہ حضرت شیخ الہند کے دونوں ہاتھ نجاست اور مواد سے بھرپور ہیں اور وہ اسے سمیٹ سمیٹ کر بار بار باہر جاتے ہیں اور پھینک پھینک کر آتے ہیں۔ اس پر حضرت نانوتوی بہت متاثر ہوئے اور وہیں کھڑے کھڑے ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے اور عرض کیا کہ خداوند! محمود کے ہاتھوں کی لاج رکھ لے اور اس خاص وقت میں جو جو بھی اپنے اس محبوب تلمیذ کے لیے مانگ سکتے تھے ہاتھ اٹھائے ہوئے مانگتے رہے۔''

(قاری محمد طیبؒ، ''پچاس مثالی شخصیات''، مشمولہ مجموعہ رسائل حکیم الاسلام، جلد ۷، صفحات ۴۲۶-۴۲۷)

مولانا نانوتویؒ اور مولانا گنگوہیؒ کی اولادوں سے خادمانہ برتاؤ کے مظاہر:

اس خدمت ومحبت اور مولانا نانوتویؒ کے دل سے نکلی ہوئی دعاؤں نے شیخ الہندؒ کی عظمت ورفعت کو ثریا تک پہنچا دیا ـــــ مولانا نانوتویؒ کے خدا جانے کتنے اور کیسے کیسے ذہین وذکی تلامذہ ہوں گے، لیکن آج ان کی اکثریت کا نام تاریخ اور ماضی کے دھندلکوں کی نظر ہو چکا اور شیخ الہندؒ کا نام مولانا نانوتویؒ کے ساتھ ایسے جڑا ہوا ہے جیسے رومیؒ کا شمس تبریز کے ساتھ ـــــ یہ استاذ کی محبت کا اثر ہے کہ مولانا نانوتویؒ اور مولانا گنگوہیؒ کے متعلقین سے شیخ الہندؒ خادمانہ برتاؤ فرماتے تھے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے ـــــ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے صاحبزادے حافظ محمد احمد صاحبؒ، جو شیخ الہند کے شاگرد تھے، کے متعلق شیخ الہندؒ نے فرمایا:

''حافظ احمد کا میرے دل میں اتنا احترام ہے کہ اگر وہ پاخانے کی ٹوکری اٹھانے کو بھی مجھ سے کہیں تو میں اس کی تعمیل کو اپنی عزت سمجھوں گا۔'' (حوالۂ بالا، صفحہ ۴۳۹)

شیخ الہندؒ، حافظ صاحب کے استاذ ہوتے ہوئے بھی ان کے سامنے مؤدب اور نیاز مندانہ بیٹھا کرتے تھے۔ یہ معمول کی بات تھی کہ جب حافظ صاحب شیخ الہندؒ کے مکان پر تشریف لے جاتے اور شیخ الہند صحن مکان میں چارپائی پر بیٹھے ہوتے، دروازے کے سامنے کی سڑک کی لمبی مسافت سے جہاں حافظ صاحب آتے ہوئے شیخ الہند کو نظر پڑ جاتے تو حضرت چارپائی چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے تھے اور اس وقت تک کھڑے رہتے تھے جب تک کہ حافظ مکان میں پہنچ کر اپنی جگہ بیٹھ نہ جائیں اور ان کے بٹھانے کی صورت یہ ہوتی تھی کہ حضرت شیخ کرسی منگواتے، اسے اپنے سرہانے بچھاتے، جب حضرت حافظ صاحب اس پر بیٹھ جاتے تب حضرت چارپائی پر بیٹھ جاتے۔

(حوالۂ بالا، صفحہ ۴۳۹۔۴۴۰)

یہ تو براہِ راست مولانا نانوتوی کی اولاد کا معاملہ تھا، اب مولانا نانوتویؒ کی تیسری نسل یعنی حافظ محمد احمدؒ کے صاحبزادگان مولانا قاری محمد طیب اور مولانا محمد طاہر کے ساتھ رویہ دیکھیے۔

قاری محمد طیبؒ لکھتے ہیں، جب شیخ الہندؒ نے مالٹا سے رہا ہو کر دیو بند ورود فرمایا تو حافظ صاحب نے فرمایا کہ حضرت ان دونوں بچوں (محمد طیب اور محمد طاہر) کو بیعت فرمالیجیے تو ازراہ تفنن فرمایا:

''لوگ مجھے کہتے ہیں کہ یہ بڑا ہوشیار ہے۔ دو بزرگوں (حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ) کے دو ہی صاحبزادے ہیں (مولانا مسعود احمد گنگوہیؒ اور حافظ احمد صاحبؒ) اس نے دونوں پر پہلے ہی سے قبضہ جما رکھا ہے، اب اگر ان بچوں کو بھی بیعت کر لیا تو کہیں گے کہ دیکھو اس نے آگے کو بھی قبضہ رکھنے کو داغ بیل ڈال دی ہے ــــــ دو دن کے بعد اچانک خود ہی دار العلوم تشریف لا کر مجھے اور طاہر مرحوم کو بلایا، ہمارے ذہن میں بھی نہیں رہا تھا کہ ہمیں بیعت بھی ہونا ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت کیوں یاد فرمایا؟ فرمایا مرید کرنا ہے۔ اس وقت ندامت سی ہوئی کہ اس کے لیے ہمیں خود حاضر ہونا تھا، لیکن یہاں قصہ برعکس ہو رہا ہے''۔ (حوالۂ بالا، صفحہ ۴۲۱۔۴۲۲)

استاذ کی اولاد کی اولاد کے حق اور خدمت کا ایک اور محیر العقول واقعہ دیکھیے جو اپنے تأثر میں اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ جب قاری طیب صاحب کا رشتہ شیخ الہند کے ایما و حکم پر رام پور کے ایک باعزت و دین دار گھرانے میں طے ہوا تو شیخ الہندؒ نے بڑی امنگ اور جوش مسرت سے فرمایا کہ بھائی! یہ رشتہ میں لے کر جاؤں گا۔ چناں چہ یہ پیغام خود ہی لے کر رام پور تشریف لے گئے اور وہاں جا کر فرمایا: ''میں اس وقت حضرت نانوتویؒ کے گھرانے کے ایک ڈوم اور حجام کی حیثیت سے رشتے کا پیامی بن کر آیا ہوں''۔ (حوالۂ بالا، صفحہ ۴۲۶)

(جاری ھے)

دلچسپ

''گوہ'' (ایک جانور) خشکی پر رہتا ہے، پانی میں بھی تیر سکتا ہے۔ چالیس دن میں ایک قطرہ پیشاب کرتا ہے کیونکہ ہوا کی نمی پر گزارہ کرتا ہے۔ طبعی عمر سات سو سال تک ہوتی ہے۔ دانت نہیں گرتے۔

تاریخی جنازہ

(محمد اشتیاق صاحب)

۲۹ فروری ۲۰۱۶ء ملک کی تاریخ کا ایک سیاہ دن تھا۔ اس دن غازی ملک ممتاز حسین قادری کو پھانسی دی گئی۔ اگلے روز یعنی یکم مارچ ۲۰۱۶ء کو دن دو بجے لیاقت باغ میں نمازِ جنازہ کا انتظام کیا گیا۔ میں جب پشاور حاجی کیمپ اڈے سے روانہ ہوا تو ایک ڈرائیور سے میری بات ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ آپ بھی جا رہے ہیں؟ کہنے لگا کہ صبح سے بہت لوگ جنازے میں شرکت کے لئے جا چکے ہیں۔ راستے میں بھی میں نے دیکھا کہ بہت سی گاڑیاں لیاقت باغ جا رہی ہیں۔ میں تقریباً پونے ایک بجے لیاقت باغ کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ لاکھوں کی تعداد میں لوگ لیاقت باغ کی طرف جا رہے تھے۔ راجہ بازار سے لے کر فوارہ چوک اور باڑہ مارکیٹ سے موتی مسجد تک لوگ ہی لوگ تھے۔ سارے لوگ نعرۂ تکبیر کی آواز بلند کر رہے تھے۔ میں بھی انہی میں شامل ہو گیا اور سب کے ساتھ مل کر نعرۂ تکبیر کی صدا بلند کی۔ بہت مشکل سے لیاقت باغ کے اندر داخل ہوا۔ پورا لیاقت باغ لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ قدم رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔ لیاقت باغ کے اردگرد کا علاقہ بھی لاکھوں افراد سے بھرا ہوا تھا۔ جنازہ تقریباً پونے چار بجے ادا کر دیا گیا۔ اس جنازے میں نے کچھ باتیں نوٹ کیں۔

۱۔ اس جنازے میں سارے مسالک کے لوگ شریک تھے۔

۲۔ جنازے کے وقت بہت بادل سے آگئے تھے۔

۳۔ قادری شہید کا پانچ سالہ بیٹا بھی نعرۂ تکبیر کی صدا لگا رہا تھا۔

۴۔ جب جنازہ ختم ہوا تو لاکھوں افراد پرامن طریقے سے گھروں کو لوٹے۔

۵۔ لوگ دور دور سے اس جنازے کے لئے آئے اور ہوٹلوں میں کمرے لے رکھے تھے۔

۶۔ ایک شخص نے مجھے بتایا کہ رات کے بارہ بجے قادری صاحب کا دیدار کیا جو کہ دو گھنٹے کے انتظار کے بعد ممکن ہو سکا۔

ان لاکھوں افراد کا مجمع حکومت اور اس کے مغربی دوستوں کو یہ پیغام دے گیا کہ پاکستان محمد عربی ﷺ کی امت کا ملک ہے۔ یہاں تم میڈیا کے زور پر لاکھوں ملالہ اور شرمین عبید چنائے جیسے جعلی ہیرو بنا ڈالو یہ قوم انہیں جوتے کی نوک پر رکھتی ہے۔اس قوم کا اصلی ہیرو غازی ممتاز قادری شہید جیسا غیرت مند ہے اور اس ہیرو کو تسلیم کروانے کے لئے کسی میڈیا کی ضرورت نہیں۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

اس جنازے کے ساتھ ان لوگوں کا جنازہ بھی نکل گیا جو اس کا سبب بنے۔ جبکہ غازی ممتاز قادری شہید زندہ جاوید (ہمیشہ کے لئے) ہو گیا۔

ممتاز کہاں دیوانہ ہے
وہ سب سے بڑا فرزانہ ہے
دی جان ناموسِ رسالت پر
بے شک وہ مردِ یگانہ ہے
جن لوگوں نے یہ ظلم کیا
عقبیٰ ان کی ویرانہ ہے
دنیا میں بھی ان کے لئے لوگو
رسوائی ہے اور پچھتانا ہے

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

قرآن مجید کی برکات

(حضرت مولانا ڈاکٹر عبید اللہ صاحب، خیبر میڈیکل کالج، پشاور)

۲۳ جمادی الاولی ۱۴۳۷ھ کی رات عشاء کی نماز کے بعد مرشدی حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالی کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ باتوں باتوں میں، میں نے ایک واقعہ سنایا۔ حضرت صاحب نے واقعہ کو پسند فرمایا اور لکھنے کا حکم دیا۔ واقعہ ماہنامہ عبقری میں پڑھا تھا اور کچھ یوں تھا کہ پاکستان کے ایک عالم کسی کام سے ہندوستان گئے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی سوال کرنے کے لئے بازار میں آیا۔ اس نے ایک دکاندار سے بھیک مانگی اور ساتھ ہی کہا کہ میں حافظِ قرآن ہوں۔ دکاندار نے اس بھکاری کو سخت ڈانٹنا شروع کیا اور کہا کہ تو جھوٹ بولتا ہے، تجھے شرم نہیں آتی۔ اس پر لوگ جمع ہوگئے اور ہندو دکاندار سے کہا کہ تم اگر اس کو بھیک نہیں دیتے ہو تو مت دو، اس سے لڑتے کیوں ہو۔ اس پر ہندو دکاندار نے دوبارہ کہا کہ یہ جھوٹ بولتا ہے۔ یہ حافظِ قرآن نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا کہ تو اتنے دعوے سے کیسے کہتا ہے کہ یہ حافظِ قرآن نہیں ہے حالانکہ تو ہندو ہے۔ اس پر اس ہندو دکاندار نے کہا کہ میری پہلی حالت اور موجودہ حالت کا آپ لوگوں کو پتہ ہے کہ کچھ عرصہ قبل میں بالکل غریب تھا۔ ایک مرتبہ میں نے ایک مسلمان عالمِ دین کی تقریر سنی وہ کہہ رہا تھا کہ سورۃ یاسین کو آدمی جس مقصد کے لئے پڑھتا ہے، اس مقصد میں آدمی کامیاب ہوجاتا ہے۔ چنانچہ میں نے سورۃ یاسین سیکھ لی اور اس کو روزانہ پڑھتا ہوں، جس کی وجہ سے آج میرا وسیع کاروبار ہے اور میں انجمن تاجران کا صدر ہوں۔ ایک سورۃ یاسین کی برکت سے تو میرے ساتھ یہ ہوا اور یہ پورے قرآن کا حافظ اور پھر بھی غریب ہے، یہ نہیں ہوسکتا، اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ جھوٹ بولتا ہے۔ اس پر سارے لوگ حیران ہوئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ نے فرمایا کہ اسی طرح ایک واقعہ حضرت اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور کہا کہ میں حافظِ قرآن ہوں اور تنگدست ہوں۔ عالمگیرؒ نے فرمایا کہ یا تو تم حافظِ قرآن نہیں ہو یا پھر تنگدست نہیں ہو اور فرمایا کہ اچھا سورۃ رحمان سناؤ۔

سورۃ رحمان میں اس نے کوئی پچاس سے زیادہ غلطیاں کیں۔ اس پر عالمگیرؒ نے فرمایا کہ یہ غلطیاں درست کرواور پھر آجاؤ۔ پھر کافی عرصہ وہ نہیں آیا تو عالمگیرؒ نے اس کے پیچھے آدمیوں کو بھیجا کہ اس آدمی کو ڈھونڈ لاؤ۔ چنانچہ اس کو ڈھونڈ کر لایا گیا۔ عالمگیرؒ نے پوچھا کہ تو پھر کیوں نہیں آیا۔ اس نے کہا جونہی میں نے وہ غلطیاں ٹھیک کیں، میری حالت بہتر ہوگئی۔ حضرت نے فرمایا کہ گاندھی باقاعدہ سورۃ یاسین کا عامل تھا اور روزانہ اس کو پڑھتا تھا تاکہ مذاکرات میں کوئی اس پر غالب نہ آجائے۔

بندہ نے عرض کیا کہ غیر مسلموں نے بھی مسلمانوں کے تعویذوں، دموں اور وظائف سے کافی فائدہ حاصل کیا ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ حضرت ایک ہندو لیڈی ڈاکٹر نے پوسٹ گریجویشن کا امتحان پاس کرنے کے لئے آپ سے وظیفہ لیا تھا اور آپ نے اس کو تعویذ لکھ کر دیا تھا۔ فرمایا کہ اس کو "وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما" کا وظیفہ دیا تھا اور یہی بطور تعویذ بھی لکھ کر دیا تھا جب اس نے مجھے کہا تھا کہ ڈاکٹر صاحب میں نے سنا ہے کہ آپ لوگوں (مسلمانوں) کے پاس بڑے وظیفے ہوتے ہیں جس سے لوگوں کے کام بن جاتے ہیں۔ صاحب علی نے کہا کہ حضرت آپ نے اس ہندو لیڈی ڈاکٹر کو جو وظیفہ دیا تھا، مجھے بھی دے دیں کہ میرا امتحان بھی پاس ہو۔ حضرت نے وظیفہ بتادیا اور فرمایا کہ اس کا اعتقاد تھا، لہٰذا اس کا کام ہوگیا۔ فرمایا کہ اس نے پھر سو روپے شکرانہ (آج کل تقریباً پانچ ہزار روپے) اور ایک غلاف قرآن مجید کے لئے کشیدہ کاری والا دیا تھا۔ شکرانہ لینے کا تو میرا طریقہ نہیں ہے۔ اس نے اصرار کیا تو سو روپے مدینہ مسجد پشاور یونیورسٹی کے چندے کے لئے قبول کر لئے اور غلاف قرآن شریف پر چڑھا دیا۔ فتاویٰ دیوبند میں لکھا ہے کہ کافر کا چندہ مسجد کے لئے لیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ پھر انتظامی امور میں مداخلت نہ کرے یا کل کو اپنے مندر کے لئے چندہ نہ مانگے۔ بعد میں اندازہ ہوا کہ وہ سو روپے تو دم اور تعویذ کا شکرانہ تھے جو میری ملکیت ہوگئے تھے اس لئے مسجد میں دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ ملفوظات مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ میں لکھا ہوا ہے کہ غیر مسلم کو کوئی وظیفہ پڑھنے کے لئے دے سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر اس بات کا غالب گمان ہو کہ ادب کا خیال رکھے گا تو تعویذ بھی غیر مسلم کو دے سکتے ہیں۔

آبِ زم زم

جاپانی سائنسدان ماسارو اِیموتو کا انوکھا تجربہ

(انتخاب: پروفیسر ڈاکٹر محمد طارق صاحب۔ ترجمہ: ڈاکٹر زیاد طارق)

جاپانی سائنسدان ماسارو اِیموتو کو ایک انوکھا تجربہ پیش آیا۔ وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ آسمان سے گرتی ہوئی برف کا ہر گالہ (Snowflake) دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ میرا وجدان (Scientific Instinct) کہتا تھا کہ یہ سچ نہیں ہے۔ برف کے گالوں کی Geometric Shape (ہندسی شکل) کا مدار اس کی کیمیائی ترکیب پر ہوتا ہے۔ پانی کی کیمیائی ترکیب تو بہت معروف ہے، یعنی دو جوہر ہائیڈروجن کے اور ایک جوہر آکسیجن کا، (اور ہر طرح کی برف کی ترکیب ایک ہی ہے) تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آسمان سے گرنے والے برف کے گالوں کی شکلیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ کہتے ہیں:

''میں نے اس بات کا تہیہ کرلیا تھا کہ اس نظریے کو غلط ثابت کروں گا۔''

انھوں نے ایک ایسی لیبارٹری بنائی جس میں بڑے ڈیپ فریزر تھے جن کے ساتھ ان کا درجہ حرارت کنٹرول کرنے کے آلے یعنی ریگولیٹر لگے ہوئے تھے۔ کوئی بھی مائع فوراً منجمد کردینے سے کوئی خاص شکل اختیار نہیں کرتا، لہٰذا جمانے کا عمل بہت دھیرے ہونا چاہئے تاکہ ان ذروں کو رب کی طرف سے عطا کردہ اپنی مخصوص شکل میں ڈھل کر جمنے کا موقع ملے۔ اس لیبارٹری میں ڈیپ فریز کو ریگولیٹر سے منسلک کرکے ایک سرد کمرے میں رکھا گیا جس کا درجہ حرارت منفی سات ڈگری سینٹی گریڈ (-7°C) تک گرایا گیا تھا اور وہاں کئی خوردبینیں (Microscopes) رکھی تھیں، جن میں کیمرے نصب تھے تاکہ پگھلنے سے پہلے پہلے برف کے گالوں کی تصویریں لی جاسکیں۔ اس کمرے میں کام کرنے والے سائنسدان گرم کپڑے پہنتے تھے۔

وہ کہتے ہیں: ”میں نے لیبارٹری میں پانی کے دو الگ الگ نمونے لئے اور انھیں منجمد کیا تو ہر ایک نے الگ طرح کی برف بنائی۔ دو الگ الگ کنوؤں کے نمونے، دو الگ الگ دریاؤں کے، دو الگ الگ جھیلوں کے نمونے بھی لے کر دیکھے اور ان کے نتائج دیکھ کر میں تو حیرت سے تقریباً پاگل ہونے والا تھا۔ میں نے سمجھ لیا کہ یہ کوئی جادوئی اثر ہے۔“

ٹوکیو یونیورسٹی کے ایک سعودی طالب علم کی ماسارو اِیموتو سے ملاقات ہوئی تو اس نے ان سے پوچھا کہ آپ کو کیا الجھن ہے۔ انھوں نے اپنا مسئلہ بیان کیا۔ اس طالب علم نے ان سے کہا: ”ہمارے ہاں ایک متبرک (Blessed) پانی ہے جسے آبِ زم زم کہتے ہیں۔ میں آپ کو اس کا ایک نمونہ لا کر دوں گا تاکہ آپ اس پر یہ تجربہ کریں۔ آبِ زم زم پر کوئی سحر، جادو یا جنات اثر نہیں کرتے۔ لہٰذا اس کو استعمال کر کے آپ اس پورے نظریے کو رد یا ٹھیک ثابت کر سکتے ہیں۔“ اِیموتو نے آبِ زم زم کا نمونہ آزمایا اور حیرت سے کہا: ”اس کو میں منجمد ہی نہ کر سکا یہاں تک کہ میں نے اسے ایک نسبت ایک ہزار تک پتلا کیا۔“ بالفاظ دیگر، انھوں نے صرف ایک سی سی آبِ زم زم کو ایک لیٹر تک پانی میں ملا کر بھی آزمایا۔

کہتے ہیں کہ جب انھوں نے آبِ زم زم کو ایک ہزار گنا عام پانی میں ملا کر کے منجمد کیا تو ایک بالکل منفرد شکل کا کرسٹل بنا۔ درحقیقت دو کرسٹل ایک دوسرے کے اوپر ایک منفرد صورت اختیار کئے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنے ساتھ کام کرنے والے ایک مسلمان سائنسدان سے جب پوچھا کہ اس میں دو کرسٹل کیوں ہیں تو اس نے کہا کہ یہ اس وجہ سے کہ ”زم زم“ اصل میں دو الفاظ کا مرکب ہے، یعنی ”زم“ اور ”زم“۔

ماسارو اِیموتو نے بتایا: ”میرے مسلمان ساتھی نے تجویز دی کہ اس پانی پر قرآنی آیات پڑھتے ہیں۔ وہ ایک ریکارڈر لے کر آیا اور اس پر تلاوت لگائی۔ تلاوت کے بعد تو اس پانی سے اعلیٰ ترین و کامل ترین کرسٹل بنے۔ پھر اس نے اس پانی پر اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام پڑھے۔ ہر نام سے

ایک منفرد قسم کا کرسٹل بنتا گیا۔‘‘

ڈاکٹر اِیموتو نے جب پندرہ سال کے طویل عرصے میں اپنے تجربات مکمل کیے تو انھوں نے پانچ جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم کتاب Messages From Water یعنی ’’پانی کے پیغامات‘‘ کے عنوان سے لکھی۔ وہ لکھتے ہیں: ’’میں نے ثابت کیا ہے کہ پانی ایک ایسا یکتا (Peculiar) مائع ہے جو سوچنے، سمجھنے، محسوس کرنے، متحرک ہونے اور اپنے اظہار کی صلاحیت رکھتا ہے۔‘‘

ڈاکٹر اِیموتو رقم طراز ہیں: ’’آبِ زم زم کی جو خوبی اور خاصیت ہے وہ اس زمین کے کسی بھی دوسرے پانی میں نہیں پائی جائے گی۔‘‘ انھوں نے ایک جدید طریقہ Nano Technology (انتہائی باریک، نفیس اور نازک سطح تک جا کر کام کرنے کی ٹیکنالوجی) کو استعمال کرتے ہوئے آبِ زم زم پر بہت سی تحقیقات کیں۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ آبِ زم زم کا صرف ایک قطرہ بھی عام پانی کے ایک ہزار قطروں میں ڈال دیا جائے تو سارا پانی آبِ زم زم کی خوبیوں سے متصف ہو جاتا ہے۔ انھوں نے یہ بھی معلوم کیا کہ آبِ زم زم کے ایک قطرے میں پائے جانے والے معدنیات کی جو اہمیت ہے وہ اس دنیا کے کسی دوسرے پانی میں نہیں ہے۔

انھوں نے اپنے تجربات سے یہ بھی معلوم کیا کہ آبِ زم زم کی خاصیت یا اجزا کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ ایسا کیوں ہے؟ سائنس اس کی وجہ معلوم کرنے سے قاصر ہے۔ انھوں نے آبِ زم زم کی ساری شکلیں بدل کر (یعنی بھاپ اور برف سے دوبارہ پانی بنا کر) بھی دیکھا پر اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا بلکہ ویسا ہی خالص رہا۔

اسی سائنسدان نے یہ بھی معلوم کیا کہ جب مسلمان کھانے پینے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہیں تو عام پانی کی خصوصیات میں ایسی عجیب تبدیلیاں رونما ہو جاتی ہیں جو کہ اسے بہترین پانی بنا دیتی ہیں۔ نیز یہ بھی کہ عام پانی پر اگر قرآن کی آیات پڑھی جائیں تو اس میں مختلف بیماریوں سے شفا کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ! یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کا ایک معجزہ ہے۔

آبِ زم زم کی سطح زمین سے تقریباً ساڑھے دس فٹ نیچے ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا معجزہ ہے کہ جب زم زم کے پانی کو مشینوں کے ذریعے مسلسل چوبیس گھنٹے تک ۸۰۰۰ لیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے نکالا گیا تو پانی کی سطح ۴۴ فٹ نیچے چلی گئی لیکن جیسے ہی مشینیں بند کی گئیں تو گیارہ منٹ بعد پانی کی سطح فوراً واپس تیرہ فٹ پر آ گئی۔

آٹھ ہزار لیٹر فی سیکنڈ کے حساب سے:

ایک منٹ میں ۸۰۰۰ × ۶۰ = ۴۸۰،۰۰۰ لیٹر ہوئے

اس حساب سے ایک گھنٹے میں ۴۸۰،۰۰۰ × ۶۰ = ۲۸.۸ ملین لیٹر ہوئے

۲۸.۸ ملین لیٹر فی گھنٹہ کے حساب سے ایک دن میں ۲۸.۸ × ۲۴ = ۶۹۱.۲ ملین لیٹر ہوئے

الغرض، ایک دن یعنی چوبیس گھنٹوں میں انھوں نے ۶۹۰ ملین لیٹر آبِ زم زم نکالا جو کہ صرف گیارہ منٹ میں پھر سے بھر گیا۔

اس میں دو معجزے ہوئے۔ ایک یہ کہ چاہِ زم زم فوراً بھر گیا۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کے اس غیر معمولی طور پر طاقتور زیر زمین ذخیرے کو زم زم کے کنویں سے باہر ابلنے سے روک رکھا ہے، ورنہ پوری دنیا اس میں ڈوب جائے گی۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط

اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (حٰمٓ السجدة:۵۳)

ترجمہ: اب ہم دکھلائیں گے ان کو اپنے نمونے دنیا میں اور خود ان کی جانوں میں یہاں تک کہ کھل جائے ان پر کہ یہ ٹھیک ہے۔ کیا تیرا رب تھوڑا ہے ہر چیز پر گواہ ہونے کے لئے۔ (معارف القرآن)

(http://majesticislam.wordpress.com/2014/1/17/the-japenese-scientists-discoveries-of-the-secrets-of-zamzam-water/)

تحفظِ نسواں بِل

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

بندہ بیٹھا ہوا تھا کہ ٹیلیفون کال آئی۔ یہ کینیڈا سے تھی۔ ایک برخوردار انجینئر ریٹائرڈ سکواڈرن لیڈر عرصۂ دراز کے بعد بول رہا تھا۔ خوشی ہوئی، حال احوال پوچھا۔ اس نے کہا: ''ڈاکٹر صاحب میں خودکشی کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے فوراً کہا: ''وہ کس خوشی میں؟'' اس نے اتنا کہا: ''بس۔'' میں نے اس سے کہا: ''اللہ کے بندے خودکشی سے پہلے پاکستان آکر دوستوں سے، ہم بڑے بوڑھوں سے مل لو۔ پھر جو تمہاری خوشی۔''

اس کا بھائی سعودی عرب میں تھا، وہ پہلے سعودیہ گیا، عمرہ کیا۔ پھر پاکستان آیا۔ ملاقات ہوئی۔ اس بندہ نے ایئر فورس سے قبل از وقت (Premature) ریٹائرمنٹ لے لی تھی کہ کاروبار کرے گا۔ اس میں ناکام ہوا تو امریکہ چلا گیا۔ وہاں پر پیر نہ جمے تو بیوی بچوں سمیت کینیڈا چلا گیا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد بیوی بچے وہاں کے رنگ میں رنگ گئے۔ ایک دن بیوی سے تو تو، میں میں ہوگئی۔ اس نے بیوی کو ہلکا سا تھپڑ مار دیا۔ بیوی نے کیس کر دیا۔ اس پر سکواڈرن لیڈر صاحب تین مہینے کے لئے جیل میں رہے۔ باہر نکلے تو حکومت نے پابندی لگائی ہوئی تھی کہ بیوی اگر شہر کے ایک سرے پر رہتی ہے تو یہ اس سے دس، بارہ کلومیٹر دور دوسرے سرے پر رہے گا۔ یوں ہنستا بستا گھر اُجڑ گیا اور یہ صاحب خودکشی کے لئے تیار ہوگئے۔ کچھ ایسے ہی نتائج تحفظ نسواں بل حکومت پنجاب کے بھی ہوں گے۔

اللہ کے فضل سے ہم ایک روشن اور شاندار آسمانی شریعت کے مالک مسلمان ہیں۔ اس کو چھوڑ کر دوسرے قوانین سے راہنمائی لینا بیوقوفی کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔ بعض اوقات شریعت کے فرض، واجب احکامات کے خلاف قانون پاس کرنے سے آدمی کا ایمان ہی سلب

ہوجاتا ہے، اور ایمان سلب ہونے سے بیوی بھی طلاق ہوجاتی ہے۔ آدمی کو دوبارہ کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہونا ہوتا ہے۔ خاوند بیوی کے درمیان ناچاقی کے حالات میں شریعت کا حکم قرآن کی آیت کی شکل میں موجود ہے۔ حَکَماً مِّنْ اَھْلِہٖ وَ حَکَماً مِّنْ اَھْلِھَا (النساء:۳۵) کہ ایک فیصلہ کرنے والا حَکَم یعنی ذمہ دار، سمجھدار، جس کی بات مانی جائے، وہ بیوی کے خاندان سے اور اسی طرح ایک شخص خاوند کے خاندان سے ہو، وہ خاوند کا بھی بیان سنیں اور بیوی کا بیان بھی پردے کے پیچھے بٹھا کر سنیں، تجزیہ کریں اور فیصلہ کریں۔ مسئلہ عدالتوں کی جگہ خاندان کے ذمہ داروں کے سامنے زیر بحث آئے تو اس کے اثرات زیادہ مثبت، دیرپا اور کامیاب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شریعت کی عظیم نعمت سے زندگی کے ہر شعبہ میں راہنمائی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(صفحہ آخر سے آگے) کہ اب اپنے خدا کو بلاؤ کہ اسے مجھ سے بچائے۔ خدا کی شان مرغی پھڑک کر قدموں کے نیچے سے نکل گئی۔ سامنے اونٹوں کے قافلے کی قطار چل رہی تھی۔ اس قطار میں پھنس کر مرغی آگے پیچھے بھاگنے لگی۔ یہ دہریہ اس کو پکڑنے کے لئے دوڑا تو ٹھوکر لگنے سے گرا، پیٹ پر اونٹ نے پیر رکھا اور بجائے مرغی کے، صاحب آخرت کو سدھار گیا۔

ایک اور واقعہ بچپن کی کہانیوں میں بڑے بوڑھوں نے سنایا ہے کہ ایک آدمی نے جوار کا دانہ ہاتھ پر اچھالتے ہوئے کسی اللہ والے کا مذاق اڑانے کے لئے اس سے پوچھا کہ یہ کس کی قسمت میں ہے، ان کو بھی فوری کشف ہوگیا، انھوں نے بتایا کہ ایک دوردراز علاقے مثلاً حیدرآباد دکن کے ایک مرغے کی قسمت میں ہے۔ اس دہریے نے ہاہا کیا اور دانہ منہ میں ڈال دیا۔ ابھی چبانے نہیں پایا تھا کہ چھینک آگئی اور دانہ پچھلی طرف سے ناک کے اندر گھس گیا۔ جتنا پھولتا گیا تکلیف میں اضافہ ہوتا گیا۔ کافی دن گزر گئے۔ ان اللہ والے سے مذاق اور ٹکراؤ اسے بھول بھال گیا۔ ایک دوسرے سے پوچھتا پھرتا کہ یہ مسئلہ کیسے حل ہوگا۔ کسی نے مشورہ دیا کہ حیدرآباد دکن میں ایک ماہر حکیم ہے وہ نکال سکتا ہے۔ مرتا کیا نہ کرتا، آخر وہاں پہنچا۔ حکیم صاحب نے ایک دوائی سونگھائی جس سے زوردار چھینک آئی اور دانہ نکل کر زمین پر گرا۔ پاس ایک مرغا کھڑا تھا۔ اس نے فوراً چگ لیا۔

نسواں بل کا ایک پہلو

(ڈاکٹر زیاد طارق)

دو ہفتے قبل بندہ کے ایک بہت عزیز دوست اور کالج یونیورسٹی کے زمانے کے روم میٹ فرحان نے سعودی عرب سے ٹیلیفون کیا۔ ہفتہ دس دن میں رابطہ ہوا کرتا ہے۔ جیسے کہ بیرون ملک مقیم دوست احباب خیریت وغیرہ دریافت کرنے کے بعد پوچھا کرتے ہیں کیا نئی تازہ ہے، اس نے بھی یہی پوچھا۔ موصوف کی سسرال اٹک میں ہے جو کہ پنجاب میں آتا ہے لہٰذا بندہ کو مذاق سوجھا۔ کہا: ''یار بس اب حالات کافی بدل گئے ہیں، اب تو اپنی بیگم سے وضو کر کے بات کیا کرو۔'' اس نے پوچھا: ''وہ کیوں؟'' بندہ نے بتایا کہ پنجاب حکومت نے تحفظ خواتین بل پاس کر لیا ہے جس کی رو سے اب اگر آپ کی کوئی بات بیگم صاحبہ کو ناگوار گزرے تو وہ تھانے میں رپورٹ درج کروا سکتی ہیں۔ آپ کو ''اندر'' بھی کروا سکتی ہیں اور چاہیں تو عدالت کے ذریعے ہفتہ دس دن کے لئے آپ کو گھر سے بے دخل بھی کروا سکتی ہیں۔ اس نے کہا کہ یار زیادہ فکر کی بات نہیں ہم شریف لوگ ہیں اور پھر گھر والی نہ خبریں سنتی ہے نہ اخبار پڑھتی ہے، اسے کسی بل وِل کی خبر ہی نہیں ہے۔

کل شام فرحان کا دوبارہ فون آیا۔ اب کی بار شرارت اس کے لہجے سے ٹپک رہی تھی۔ حال احوال پوچھنے کے بعد حسب معمول ''کوئی نئی تازی'' کا سوال ہوا۔ بندہ نے آہستہ سے کہہ دیا: ''کوئی خاص نہیں۔'' کہنے لگا: ''کیسے نہیں یار! ابھی کل شام ہی کپتان خان نے بھی پنجاب کی دیکھا دیکھی اعلان کر دیا ہے۔'' میں نے انجان بنتے ہوئے پوچھا: ''کیسا اعلان؟'' کہنے لگا: ''یہی کہ ہم صوبہ سرحد میں بھی خواتین کے حقوق کا بل لا رہے ہیں۔'' میں نے اپنی خفت مٹاتے ہوئے کہا: ''اوہ ہاں! پر ساتھ 'علما سے مشاورت' کا لاحقہ بھی تو لگایا ہے نا!'' اور مُلا مسکین کی طرح زیادہ چھیڑ چھاڑ کرنے کی بجائے چپ سادھ لینے میں عافیت جانی کیونکہ ہمیں اپنا مذاق مہنگا پڑ چکا تھا۔

عبرت انگیز

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

خیبر میڈیکل کالج کی خیبر ٹیچنگ (شیر پاؤ) ہسپتال کا واقعہ ہے کہ آپریشن تھیٹر میں Anaesthesia یعنی نشے والے ڈاکٹر نے مریض کو نشہ دیا۔ جب نشہ مکمل چڑھ جائے تو ہسپتال کی اصطلاع میں کہتے ہیں کہ مریض Under ہے یعنی اس پر پورا نشہ چھا گیا ہے۔ اٹنڈنٹ نے سرجن سے کہا: ''سر! مریض انڈر ہے، بسم اللہ کریں۔'' اس پر سرجن نے کہا: "Leave it yaar! If you say Bismillah or if you say the name of the devil, it doesn't matter."

(ترجمہ: چھوڑ و یار! آپ بسم اللہ کہیں یا شیطان کا نام لیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا)

رات کو انھوں نے شراب پی ہوتی ہے، صبح کی نماز پڑھی نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے شیطان نے کان میں پیشاب کیا ہوا ہوتا ہے، اس لئے نیکی کرنا تو چھوڑیں، نیکی اور نیکی کرنے والے، دونوں انھیں برے لگتے ہیں۔ خیر، گردن کے Thyroid Gland (گلہڑ) کا آپریشن سرجن صاحب نے شروع کیا۔ ہاتھ ایسا پھسلا کہ ایک اہم رگ Internal Carotid ہی کاٹ ڈالی، جس سے اتنا خون نکلتا ہے کہ آدھے گھنٹے میں مریض کی موت واقع ہوسکتی ہے۔ اس رگ کو پکڑنے کے لئے ہنسلی کی ہڈی (Clavicle) جو گردن اور سینہ کے درمیان ہوتی ہے، توڑنی پڑی۔ مشکل سے مریض کی جان بچی۔ ہڈیوں کے ڈاکٹر Orthopedic Surgeon کو بلانا پڑا تا کہ ہڈی کو درست کرے اور سرجن صاحب کے کارنامے کو بھی دیکھ لے۔

بڑے بوڑھوں نے ایک عجیب واقعہ سنایا ہے کہ ایک دہریے (جو خدا کے وجود کا انکار کرے) نے مرغی پکڑی، اس کے دونوں پر اپنے ایک پیر کے نیچے دبائے اور دونوں ٹانگیں دوسرے پیر کے نیچے دبائیں اور اس کی گردن پر چھری رکھی اور سامنے کھڑے لوگوں سے کہا کہ (باقی صفحہ ۳۲ پر)